پہلی صدی ہجری میں مسلمانوں کے علمی رجحانات

(۲)

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا وہ قرآن مجید کی معنوی حیثیت سے متعلق تھا. اب اس کی لفظی حیثیت پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں میں لغت۔ صرف ونحو اور علم معانی وبیان کی جو تدوین ہوئی ہے وہ سب قرآن مجید کی ہی مرہون احسان ہے۔ مثلاً قرآن مجید نے جب اپنے اعجاز کا دعویٰ کیا اور تحدی کی کہ تم اس کی ایک آیت کا مثل لاکر ہی دکھادو۔ تو اب قدرتی طور پر عربوں میں یہ معلوم کرنے کا شوق پیدا ہوا کہ کلام کے محاسن کیا ہوتے ہیں اور معائب کیا۔ پھر یہ محاسن ومعائب کیوں پیدا ہوتے ہیں اور اس کے اسباب کیا کیا ہوتے ہیں۔ اس کے بعد اس سے نیچے اتر کر انھوں نے دیکھا کہ کلام کا محاسن ومعائب سے پر ہونا تو الگ رہا۔ پہلے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ کلام میں مطلق صحت اور درستگی کب پیدا ہوتی ہے؟ اور مافی الضمیر کے اظہار کا ذریعہ بننے کے لئے اس میں ابتدائً کیا کیا باتیں پائی جانی ضروری ہیں؟ یہ وہ سوالات تھے جن کے جواب نے لسانی اور ادبی علوم وفنون کا قالب اختیار کر لیا۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ ان علوم وفنون کی اصطلاحات بعد میں وضع کی گئیں اور ان کو رسمی ترتیب وتدوین کی شکل بعد میں ہی حاصل ہوئی۔

علامہ ابن خلدون نے علوم کی دو قسمیں کی ہیں. فرماتے ہیں۔

"علوم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک صنف وہ ہے جو انسان کے لئے طبعی ہے جس کی طرف وہ خود اپنی فکر سے راہ پاتا ہے اور دوسری صنف ان علوم کی ہے جن کو انسان ان کے واضعین سے اخذ کرتا ہے۔ پہلی صنف کو علوم حکمیہ فلسفیہ کہتے ہیں۔ ان علوم کے متعلق یہ ممکن ہے کہ انسان اپنے

ذاتی فکر سے اور اپنی بشری صلاحیتوں سے کام لیکر ان میں درک و بصیرت پیدا کرے اور ان علوم کے موضوعات و مسائل پر غور و خوض کر کے نتائج کا استنباط کرے۔ دوسری صنف کو علوم نقلیہ وضعیہ کہتے ہیں ان علوم میں عقل کو دخل نہیں ہوتا بلکہ ان کا دارومدار نقل پر ہوتا ہے البتہ جہانتک اصول وکلیات سے جزئیات کے استخراج کا تعلق ہے عقل کو دخل ہوتا ہے۔" [۱]

علامہ ابن خلدون نے علوم کی جو پہلی صنف بتائی ہے اس کے لئے جیسا کہ خود علامہ نے کہا ہی فکر بیدار، اور دماغ روشن کی ضرورت ہے۔ اس کی حاجت مطلقاً نہیں ہے کہ باقاعدہ کتابیں ہوں۔ درسگاہیں ہوں اور ان علوم کا درس دینے والے بھی موجود ہوں۔ اور سطور بالا میں بتایا جا چکا ہے کہ صحابہ کرام میں ایسے روشن دماغوں اور بیدار افکار کی کمی نہیں تھی۔ اگر آج کوئی شخص محض اسلامی نقطۂ نظر سے علوم فلسفیہ وحکمیہ کی تدوین کرنی چاہے تو اس کو معلوم ہوگا کہ ان سب علوم کے مسائل کے بارہ میں اسلام خود اپنا ایک نظریہ رکھتا ہے اور پھر اس کو ثابت کرنے کے لئے اس کے پاس حتمی دلائل و براہین بھی ہیں۔ اس بنا پر یہ بیہ نکر باور کیا جا سکتا ہے کہ صحابہ کی علمی کوششیں صرف عبادات اور عقائد و اعمال تک محدود تھیں اور ان کی دماغی و ذہنی صلاحیتیں دوسرے مسائل کو علمی نقطۂ نگاہ سے نہیں دیکھ سکتی تھیں۔

ہے (Haye.) نے اپنی کتاب "Introduction to the Study of Sociology" میں لکھا ہے کہ "علم شروع شروع میں منظم نہیں ہوتا۔ اس کے بیشمار مسائل بکھرے ہوئے ہوتے ہیں اور ان میں کوئی وحدت نہیں ہوتی۔ اس زمانہ میں زیادہ تر اعتماد روایات پر اور مفکرین کے آراء و افکار پر ہی ہوتا ہے" پس صحابہ کے دور میں علوم وفنون کی یہی ابتدائی حالت تھی جس پر آگے چلکر دنیائے علوم وفنون کی ایک شاندار عمارت کھڑی ہوئی۔ عہد حاضر کے نامور مصری فاضل احمد امین لکھتے ہیں۔

"عہد بنی عباس میں علوم وفنون کو بڑی ترقی ہوئی۔ علماء اسلام کے طرز استدلال و طریق بحث و

---

[۱] مقدمہ ابن خلدون ص ۳۰۵۔

گفتگو میں فلسفہ و منطق کا رنگ بہت غالب آگیا۔ علوم دینیہ کے علاوہ دنیاوی علوم مثلاً طب، ریاضی اور ہئیت وغیرہ علوم بھی اس عہد میں بہت کچھ چمکے اور عروج کو پہنچے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ان سب علوم کی بنیاد ان تجربات اور اقوال علماء پر تھی جو پہلے سے مسلمانوں میں متداول تھے۔ اور ان سب علوم کی ترقی ایک طبعی نتیجہ تھی اس دور سے پہلے کے مسلمانوں کی زندگی اور ان کی حیاتِ عقلی کا" ۵۱

مکاتب کا قیام جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا ہے اس دور میں علوم محض بذریعہ نقل و روایت ایک سے دوسرے تک منتقل ہوتے اور سفینوں کے بجائے صرف سینوں میں محفوظ رہتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح مسلمانوں کو کتابت سیکھنے کا امر فرمایا تھا۔ اسی طرح آپ نے درس و تدریس کے سلسلے بھی عام افادہ و استفادہ کی غرض سے قائم کر رکھے تھے۔ چنانچہ ہجرت مدینہ سے پہلے ہی حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت ابن مکتوم مدینہ پہنچ کر قرآن مجید کا درس دینے لگے تھے" ۵۲ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہاں آپ نے مسجدِ نبوی میں ایک مستقل حلقۂ درس قائم کر دیا۔ چنانچہ روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو آپ نے یہاں دو حلقے دیکھے۔ ایک حلقہ میں لوگ تلاوت و دعا میں مشغول تھے اور دوسرے حلقہ میں قرآن مجید کے درس و تدریس کا سلسلہ جاری تھا۔ آپ نے فرمایا" دونوں کارِ خیر کر رہے ہیں۔ ایک گروہ تلاوت و دعا کر رہا ہے اور دوسرا قرآن مجید کی تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ میں صرف معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں، یہ فرما کر آپ قرآن مجید کے حلقۂ درس میں بیٹھ گئے" ۵۳

آپ کے مکتبِ ارشاد و ہدایت سے جو لوگ فیضیاب ہو کر نکلتے تھے اور تعلیم کا کام انجام دے سکتے تھے آپ ان کو حجاز سے باہر بھی تعلیم و تدریس کے لئے بھیجتے رہتے تھے۔ چنانچہ آپ نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن

---

۵۱ ضحی الاسلام ج ۲ ص ۹۔ ۵۲ بخاری کتاب التفسیر

۵۳ سنن ابن ماجہ باب فضل العلماء والحث علیٰ طلب العلم۔

کا قاضی مقرر کرکے بھیجا تو ساتھ ہی ان کو مامور فرمایا کہ وہاں کے لوگوں کو قرآن مجید اور شرائع اسلام کی تعلیم دیں۔
تعلیم قرآن کے لحاظ سے حضرت معاذ کی جلالتِ شان کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے "قرآن چار شخصوں سے سیکھو، ابن مسعود، ابی بن کعب، معاذ بن جبل، اور سالم مولی ابی حذیفہؓ۔[۱] علاوہ ازیں آپ کی خدمت میں کوئی نیا مہاجر آتا تو آپ اس کو انصار میں سے کسی ایسے شخص کے سپرد کر دیتے تھے جو اس کو قرآن مجید کی تعلیم دے سکے۔ انصار اپنے ایسے مہاجر بھائیوں کے ساتھ بڑی ہمدردی اور دلجوئی کا معاملہ کرتے تھے وہ ان کو قرآن مجید کا درس دیتے اور ساتھ ہی خود وہ اور ان کے گھر والے جو کھانا کھاتے تھے وہی ان کو کھلاتے تھے۔ چنانچہ مہاجرین انصار کے اس برادرانہ برتاؤ کا صاف دل سے اعتراف کرتے تھے اور ان کے بڑے شکر گذار تھے۔[۲]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کو فتنۂ ارتداد کے استیصال میں مصروفیت اور مدتِ خلافت کے اختصار کے باعث تعلیم و تدریس کی طرف متوجہ ہونے کا زیادہ موقع نہیں مل سکا۔ البتہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں جہاں اور کاموں کی طرف توجہ کی آپ نے تعلیم و تدریس کے لئے اسلامی علاقوں میں کثرت سے مکاتب بھی قائم فرمائے اور چیدہ چیدہ معلمین کا انتخاب کرکے انھیں اس اہم خدمت پر مامور کیا۔

جبری تعلیم بلکہ جہاں جہاں ضرورت تھی آپ نے جبری تعلیم کا بھی انتظام فرمایا۔ چنانچہ ابوسفیان نام کے ایک شخص کو آپ نے صرف اس خدمت پر مامور کیا تھا کہ وہ بدوی قبائل میں دورہ کرکے لوگوں کا امتحان لے اور جو شخص قرآن نہ پڑھ سکے اس کو سزا دی جائے۔ اس سلسلہ میں ایک ناگوار واقعہ یہ پیش آیا کہ ابوسفیان نے ایک شخص اوس بن خالد کا امتحان لیا تو وہ قرآن مجید نہ پڑھ سکے۔ اس پر ابوسفیان نے ان کو اتنا مارا کہ وہ جانبر نہ ہوئے۔ اوس کے قبیلہ کے ایک شخص حریث بن زید الخیل الطائی کو اس واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے

---

[۱] استیعاب تذکرہ معاذ بن جبل [۲] اسد الغابہ ج ۴ ص ۳۷۶ [۳] مسند امام احمد بن حنبل ج ۵ ص ۳۲۴۔

ابو سفیان کو قتل کر دیا۔[1]

حضرت عمرؓ نے مفتوحہ ممالک کے مختلف حصوں میں جن حضرات کو تعلیم کی خدمت پر مامور کیا تھا ان میں زیادہ نمایاں اور مشہور یہ حضرات ہیں۔ شام میں حضرت عبادۃ بن صامت۔ معاذ بن جبل اور حضرت ابو الدرداؓ ان میں سے اول الذکر نے حمص میں قیام کیا۔ ابو الدرداء دمشق میں مقیم ہوگئے اور حضرت معاذ نے فلسطین میں سکونت اختیار کی۔[2] حضرت عمران بن حصین کو بصرہ بھیجا گیا تاکہ وہاں لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیں۔[3]

تعلیم قرآن کے ساتھ صحت تلفظ کا اہتمام حضرت عمرؓ نے صرف تعلیم قرآن کی اشاعت کا ہی انتظام نہیں کیا بلکہ اس کی بھی تاکید کی کہ صحت تلفظ اور اعراب کا خیال رکھا جائے۔ مولانا شبلی مرحوم نے ابن الانباری کے بیان کے مطابق حضرت عمرؓ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں "تعلّموا اعراب القرآن کما تعلّمون حفظہ"[4] اس کے ساتھ آپ نے یہ حکم بھی دیا کہ جو شخص ادب اور لغت کا ماہر نہ ہو وہ قرآن مجید کی تعلیم نہ دینے پائے۔[5] اس بنا پر مکاتب میں قرآن مجید کے ساتھ امثال عرب اور اخلاقی اشعار کی تعلیم بھی جاری ہوگئی تھی۔

معلمینِ قرآن کی تنخواہیں حضرت عمرؓ نے چونکہ تعلیم قرآن کا انتظام بڑے وسیع پیمانہ پر کیا تھا اور اس کو امورِ خلافت کا ایک مستقل صیغہ بنا دیا تھا اس لئے ضرورت تھی کہ معلمین قرآن تمام دوسرے معاشی مشاغل سے یکسو ہو کر اس خدمت کی انجام دہی میں اطمینان کے ساتھ مصروف رہیں۔ اس بنا پر آپ نے معلمین قرآن کے معقول مشاہرے بھی مقرر کر رکھے تھے۔ سیرۃ العمرین لابن الجوزی میں ہے۔

ان عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان	حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے
کانا یرزقان المودبین والائمۃ	مؤدبین ائمہ مساجد اور معلمین کے وظیفے مقرر
والمعلمین "[6]	کر رکھے تھے۔

---

[1] اصابہ فی معرفۃ الصحابہ ج ۱ ص ۸۴۔ [2] اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۰۶ [3] اسد الغابہ ج ۴ ص ۱۳۷

[4] الفاروق ج ۲ ص ۱۰۷۔ [5] کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۸۔ [6] بحوالہ الفاروق ج ۲ ص ۱۰۴۔

حضرت عمرؓ کے اس اہتمام و انتظام کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک قلیل مدت میں ہی اسلامی علاقوں میں قرآن جاننے والوں اور اس کو سمجھ کر پڑھنے والوں کی جو کثیر تعداد پیدا ہو گئی تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے فوجی افسروں کو لکھا کہ میرے پاس حفاظ قرآن کو بھیجو تاکہ میں انھیں معلم بنا کر جا بجا بھیجدوں۔ تو حضرت سعد بن ابی وقاص نے جواب دیا کہ صرف میری فوج میں تین سو قرآن کے حافظ موجود ہیں" ؎۱ حضرت عمرؓ کے بعد اور خلفاء نے بھی اس سلسلہ کو نہ صرف یہ کہ باقی رکھا بلکہ حسب فرصت و موقع اس کی توسیع کرتے رہے۔

تعلیم حدیث قرآن مجید کے بعد حدیث کا درجہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ کی تمام تر توجہ قرآن مجید کے پڑھنے پڑھانے اور اسی کے یاد کرنے پر مرکوز رہی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں تعلیم قرآن کے لئے مستقل حلقے اور مکاتب قائم کئے تو اس کے ساتھ ہی انھوں نے احادیث کی نشر و اشاعت اور اس کی نقل و روایت کا بھی اہتمام کیا۔ مگر اپنی احتیاط پسند اور دور رس طبیعت کے مطابق اس معاملہ میں اس کا خیال رکھا کہ یہ کام صرف ان حضرات کے ہاتھوں ہی انجام کو پہنچے جو ہر طرح اس کے اہل اور اس سلسلہ میں بہمہ وجوہ لایق اعتماد و اعتبار تھے۔ چنانچہ آپ نے اس کام کے لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ایک گروہ کے ساتھ کوفہ اور معقل بن یسار، عبداللہ بن مغفل اور عمران بن حصین کو بصرہ اور عبادہ بن صامت اور ابو درداء کو شام اسی کام کے لئے بھیجا اور امیر معاویہ کو جو اس زمانہ میں شام کے گورنر تھے بتاکید لکھا کہ ان کی احادیث سے تجاوز نہ کریں" ؎۲

تنقید احادیث حضرت عمرؓ کا جو سب سے بڑا کارنامہ ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے صرف حدیث کی اشاعت اور اس کی تعلیم و تدریس کے اہتمام و انتظام پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حدیثوں کی تحقیق و تنقید اور فن جرح و تعدیل کی بھی بنیاد ڈالی۔ آپ اس راز سے اچھی طرح واقف تھے کہ بعض خود غرض لوگ کس طرح ہر چیز کو

؎۱ بحوالہ الفاروق۔ ؎۲ ازالۃ الخفا جزء دوم ص ۶۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے اپنی مطلب براری کی راہ کھول سکتے ہیں۔ پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعض نیک نیت اشخاص سے بھی چند الفاظ کے ردوبدل سے بڑے اہم نتائج پیدا ہو سکتے ہیں اس لئے آپ نے احادیث کی روایت کے لئے خاص خاص شرائط مقرر کر رکھی تھیں کہ کوئی شخص ان سے تجاوز نہیں کر سکتا تھا مثلاً ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری حضرت عمرؓ سے ملنے آئے۔ دروازہ پر تین مرتبہ آواز دی مگر حضرت عمرؓ اس وقت کسی ضروری کام میں مصروف تھے متوجہ نہیں ہو سکے۔ فارغ ہو کر پوچھا "ابوموسیٰ کہاں ہیں؟ وہ واپس جا چکے تھے، پھر جو ملاقات ہوئی تو حضرت عمرؓ نے پوچھا "تم اس دن کیوں واپس چلے گئے تھے؟ ابوموسیٰؓ نے جواب دیا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تین مرتبہ اذن مانگو۔ اگر اس پر بھی اجازت نہ ملے تو واپس چلے جاؤ" حضرت عمرؓ نے فرمایا اس روایت کا ثبوت دو ورنہ میں تم کو سزا دوں گا"[1]

اس واقعہ سے بعض محدثین نے یہ اصول وضع کیا ہے کہ خبر واحد معتبر نہیں ہے۔ جب تک اس کے لئے کوئی شاہد موجود نہ ہو۔ اسی طرح ایک مرتبہ ایک خاتون فاطمہ بنت قیس نے حضرت عمرؓ سے بیان کیا کہ مجھکو میرے شوہر نے طلاق بائنہ دی تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ مجھکو اب شوہر سے نان ونفقہ (عدت تک کے لئے) لینے کا حق ہے یا نہیں؟ آپ نے جواب نفی میں دیا۔ چونکہ یہ روایت قرآن مجید کی آیت واسکنوا ھُنّ من حیث سکنتم سے متعارض تھی اس لئے حضرت عمرؓ نے فاطمہ کی روایت سنکر فرمایا "ہم قرآن کو ایک عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے۔ معلوم نہیں اس کو حدیث یاد بھی رہی یا نہیں"[2] اس سے محدثین نے درایت کا یہ اصول وضع کیا ہے کہ جو روایت قرآن کی کسی آیت سے متعارض ہوگی اس کو قبول نہیں کیا جائیگا۔ علیٰ ہذا اور بھی اصول جرح ونقد میں جو محدثین نے حضرت عمرؓ کے اقوال اور ان کے عمل سے مستنبط کئے ہیں۔ اصولِ حدیث کی کتابوں میں ان کی تفصیل مذکور ہے۔

عہد صحابہ میں مختلف شہروں میں درس حدیث کے کئی کئی حلقے قائم تھے لیکن اس باب میں مدینہ

---

[1] صحیح مسلم باب الاستیذان۔ [2] یہ روایت ذرا ذرا سے فرق سے مسلم، ابوداؤد اور نسائی تینوں میں ہے۔ عمدۃ القاری فی شرح صحیح البخاری ج ۹ ص ۶۱۹۔

کو مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ یہاں حضرت جابر بن عبداللہ خاص مسجد نبوی میں بیٹھکر حدیث کا درس دیتے تھے"۔ [1]

فقہ | قرآن وحدیث کے بعد فقہ کا درجہ ہے۔ فقیہ وہی ہو سکتا ہے جو قرآن وحدیث کو اچھی طرح جانتا ہو منطوق ومفہوم سے آگاہ ہو اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قرآن وحدیث کی اصل روح سے پورے طور پر باخبر ہو۔ حضرت عمرؓ نے درس فقہ کے لئے بھی مختلف امصار وبلاد میں متعدد علماء وفقہاء کو بھیجا جہاں وہ باقاعدہ بڑے بڑے مجامع میں درس دیتے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن معقل کو مع نو حضرات کے بصرہ اسی کام کے لئے بھیجا گیا تھا۔ [2] عبدالرحمن بن غنم کو شام بھیجا۔ صاحب اسد الغابہ ان کے حالات میں لکھتے ہیں۔

وکان افقہ اہل الشام وھو الذی	یہ اہل شام میں سب سے بڑے فقیہ تھے اور یہی وہ ہیں
فقّہ عامۃ التابعین بالشام [3]	جنھوں نے عام تابعین کو شام میں فقہ کی تعلیم دی۔

علامہ سیوطی حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر والقاہرہ میں لکھتے ہیں "حبان بن ابی جبلہ حضرت عمرؓ کی طرف سے مصر میں فقہ کی تعلیم دینے پر مامور کئے گئے تھے"۔ [4]

حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانوں میں بھی قرآن وحدیث اور فقہ کی تعلیم کا اہتمام ہوا لیکن باہمی خانہ جنگیوں اور اندرونی شورشوں کے باعث اس کو اتنی وسعت حاصل نہ ہو سکی جتنی کہ ہونی چاہیئے تھی البتہ ۴۱ھ کے بعد سے جبکہ امیر معاویہ تمام مسلمانوں کے بے شرکت غیرے خلیفہ ہو گئے اور اب ان کو مسلمانوں کی تعلیم کی طرف متوجہ ہونے کا موقع ملا تو انھوں نے اس سلسلہ میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

سطور بالا میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادت مہد تک تعلیم وتدریس کا دائرہ صرف قرآن مجید تک محدود رہا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جیسے جیسے ضروریات زندگی بڑھتی رہیں اس دائرہ میں بھی وسعت ہوتی رہی، چنانچہ حضرت عمرؓ کے حکم سے جو مکاتب

---

[1] حسن المحاضرہ للسیوطی ج ۱ ص ۸۰ ۔ [2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۵ ۔ [3] اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۱۸ ۔ [4] ج ۱ ص ۲

درس قرآن کے لئے قائم ہوئے تھے ان میں ادب۔ لغت اور شعر کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ خود حضرت عمرؓ فرماتے تھے "علموا اولادکم الشعر" تم اپنی اولاد کو شعر کی تعلیم دو۔ حضرت عبداللہ بن عباس حبرامت ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے علم، حکمت اور تفقہ کی دعا فرمائی تھی۔ آپ کا درس ایک ایسے باغ کے مشابہ ہوتا تھا جس میں رنگ برنگ کے خوشنما پھول کھلے ہوئے ہوں۔ قرآن کے الفاظ کی تشریح۔ اسرار و حکم، مسائل و احکام۔ تاریخ و شعر اور قصص و ایام عرب، غرض یہ ہے کہ اس زمانہ کے مروجہ فنون میں سے ہر ایک کا ذکر ہوتا تھا طلبہ اپنے اپنے مذاق کے مطابق سوال کرتے تھے اور جواب سے مطمئن ہوتے تھے؛

نحو | عجمی ممالک میں عربی زبان کا جاننا علم نحو پر موقوف ہے۔ اسی سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوسکتا ہے یہ علم بھی حضرت علیؓ کے عہد میں معرض وجود میں آچکا تھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کی ایجاد کا سہرا حضرت علیؓ کے سر ہے۔ لیکن ہماری رائے میں زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے ایما سے ابوالاسود الدولی نے اس علم کو مدون کرنا شروع کیا تھا۔ اس کی تقریب یہ ہوئی کہ ایک مرتبہ ابوالاسود نے ایک قاری سے سنا کہ قرآن مجید کی آیت "ان اللہ بریٔ من المشرکین ورسولہ" میں رسولہ کے لام کو بجائے ضمہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھ رہا ہے۔ ابوالاسود کو یہ سنکر بڑا رنج ہوا اور اس نے علم نحو کے قواعد و اصول مرتب کرنے شروع کر دیئے [1]

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔

وھواوّل من تکلّم فی النحو یہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے علم نحو میں کلام کیا ہے۔[2]

علامہ ابن خلکان بھی اس کو اول واضع نحو قرار دیتے ہیں [3] ابن ندیم نے ایک واقعہ لکھا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک زمانہ میں چند کاغذات بھی ملے تھے جس میں ابوالاسود کے قلم سے فاعل و مفعول کی بحث لکھی ہوئی تھی [4]

اعراب | قرآن مجید پر اعراب نہ ہونے کے باعث اہل عجم قرآن پڑھتے تھے تو بعض جگہ نہایت فاحش غلطی

---

[1] الفہرست ص ۶۰۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۱۰۔ [3] وفیات الاعیان ج ۱ ص ۲۴۰۔ [4] الفہرست ص ۶۱۔

کر جاتے تھے۔ اس کی اصلاح بھی ابوالاسود نے اس طرح کی کہ عراقین کا گورنر زیاد بن امیہ تھا۔ ابوالاسود اس کے بچوں کا اتالیق تھا۔ ایک مرتبہ اس نے کہا کہ اگر آپ میرے لئے ایک کاتب کا انتظام کر دیں تو میں تمام قرآن پر اعراب لگادوں۔ کاتب کا انتظام ہوگیا تو ابوالاسود نے اس کام کو بھی سرانجام کردیا۔ ابوالاسود کا انتقال ۶۹ھ میں ہوا جبکہ اس کی عمر ۸۵ سال تھی۔

دیگر علوم وفنون جب اسلام کا ظہور ہوا۔ عرب میں طب، علم الانساب اور شعروشاعری کا بڑا چرچا تھا مسلمان ہونے کے بعد بھی عربوں نے ان چیزوں سے بے توجہی نہیں برتی بلکہ حضرت عمرؓ تو شعر عرب پڑھنے کی تاکید ہی اس لئے کرتے تھے کہ اس کے ذریعہ عربی قبائل کے انساب محفوظ رہ سکتے تھے۔ عجیب بات یہ ہے کہ مرد تو مرد، عورتیں تک دینی تعلیم میں انہماک کے باوجود ان مروجہ فنون عرب میں مہارت وبصیرت رکھتی تھیں، چنانچہ حضرت عائشہؓ قرآن۔ حدیث۔ فقہ اور اسرار دین وتصوف کے علاوہ طب، انساب وایام عرب اور شعروشاعری میں بھی بڑی دستگاہ رکھتی تھیں۔ مسند امام احمد بن حنبل میں ہشام بن عروہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک دن حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا" اماں! مجھکو آپ کی سمجھ اور فہم پر تعجب نہیں ہوتا کیونکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بی بی اور ابوبکرؓ کی بیٹی ہیں۔ مجھکو اس پر بھی حیرت نہیں ہوتی کہ آپ کو ایام عرب اور شاعری کا اتنا وسیع علم کیونکر حاصل ہوگیا۔ کیونکہ آپ ابوبکرؓ کی بیٹی ہیں جو لوگوں میں سب سے بڑے عالم تھے۔ لیکن میں آپ کے علم طب پر متعجب ہوں کہ یہ کیونکر آیا اور کہاں سے آیا؟"[۱] خود ان احادیث میں جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہیں تاریخی واقعات اس کثرت سے مروی ہیں کہ اگر ان کو ایک جگہ جمع کردیا جائے تو حالات قبل اسلام اور واقعات بعد الاسلام کے متعلق ایک اچھا خاصہ تاریخی رسالہ مرتب ہوجائے۔

حضرت عثمان کو بھی تاریخ کا بڑا اچھا ذوق تھا۔ تاریخ دمشق لابن عساکر میں ہے کہ حرملۃ بن

---

[۱] مسند امام احمد ج ۶ ص ۶۷۔

المنذر الطائی ایک نصرانی شاعر تھا جس نے عہد جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے دیکھے تھے اور ایرانی بادشاہوں میں سے کسی کے ہاں وزیر بھی رہ چکا تھا۔ اس بنا پر شاہانِ عجم کے حالات و واقعات اور ان کے اخلاق و عادات سے اس کو بڑی واقفیت تھی۔ حضرت عثمان حرملہ کو اپنی مجلس میں بلاتے اور اس سے تاریخی واقعات عجم سنتے تھے۔ لہ

تدوین تاریخ تاہم خلافتِ راشدہ کے اختتام تک یہ تمام تاریخی معلومات سینوں میں محفوظ تھیں حضرت معاویہؓ کو اس فن سے جو خاص شغف تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ معمولاً رات کا ابتدائی تہائی حصہ تاریخی واقعات کے سننے میں صرف کرتے تھے۔ اس کے بعد سو جاتے اور پھر آخر شب میں یہ واقعات سنا شروع کر دیتے تھے۔ چنانچہ مسعودی لکھتا ہے۔

ویستمرّ الی ثلثِ اللیل فی اخبار العرب	حضرت معاویہؓ عرب کی خبریں، ان کی تاریخی
وایامها والعجم وملوکها وسیاستها	لڑائیاں، عجم اور شاہانِ عجم اور ان کی سیاست اور
لرعیتها وسائر ملوكِ الامم و	دوسری قوموں کے بادشاہوں کے حالات ان
حروبها ومکایدها وسیاستها	کی جنگیں، گھاتیں، طرزِ جہاں بانی یہ سب اور دوسرے
لرعیتها وغیر ذالك من اخبار	تاریخی حالات تہائی شب تک سنتے رہتے تھے پھر
الامم السالفة	اندر جا کر تہائی شب تک سوتے تھے اور بیدار ہو کر
ثُمَّ یدخل فینام ثلث اللیل	پھر بیٹھ جاتے تھے اب آپ کے پاس کتابیں لائی
ثُمَّ یقوم فیقعد فیحضرُ الدفاترُ	جاتی تھیں جن میں بادشاہوں کے اخلاق و عادات
فیها سِیَرُ الملوك واخبارها	اور ان کی جنگیں اور داؤ پیچ یہ سب کچھ لکھا
والحروب والمکائد فیقرأ ذالك	ہوتا تھا۔ ان کتابوں کو آپ کے سامنے چند غلام
علیہ غلمانٌ لہ مرتبون وقد وُکّلوا بحفظها	پڑھتے تھے جو اسی کام پر مامور تھے اور اسی بات کی تنخواہ پاتے

لہ بحوالہ الاسلام والحضارۃ العربیہ ج ۱ ص ۱۹۲۔

وقرأتھا فتمر بسمعہ کل لیلۃ جمل من الاخبار والسیر والآثار وانواع السیاسات[1] تھی کہ وہ ان کتابوں کی حفاظت کریں اور ان کو پڑھ کر سنائیں اس طرح حضرت معاویہ کے کان میں ہر شب طرح طرح کے واقعات و حالات اور سیاسی وقائع اور اخبار پڑتے رہتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ نے خواہش ظاہر کی کہ میں اپنے پاس ایک ایسے شخص کو رکھنا چاہتا ہوں جو ہم کو عہد گذشتہ کے واقعات سنائے۔ کسی نے کہا "حضر موت میں ایک شخص ہے جس کا نام امد بن ابد الحضرمی ہے اور یہ سن رسیدہ ہے۔ حضرت معاویہ نے اس کو بلا لیا[2]۔ یمن میں عبید بن شریہ، یمن اور ملوک عرب و عجم کی تاریخ کا بڑا فاضل تھا۔ حضرت معاویہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اسے یمن سے بلوا لیا اور پھر بڑے شوق سے اس سے پچھلے زمانہ کے حالات و واقعات۔ شاہانِ عرب و عجم کی تاریخ۔ یہاں تک کہ یہ کہ زبانیں کس طرح بنیں۔ اور انسانوں کی آبادیاں مختلف شہروں میں کیونکر پھیلیں۔ یہ سب کچھ کرید کرید کر دریافت کرتے تھے۔ پھر عبید بن شریہ جو کچھ نقل کرتا تھا آپ اس کو مدون بھی کراتے جاتے تھے۔ چنانچہ ابن ندیم نے عبید بن شریہ کی تین کتابوں کے نام لکھے ہیں۔ کتاب الامثال۔ کتاب الملوک اور اخبار الماضیین"[3]

کعب احبار حمیر کے خاندان آل رعین سے تھے۔ عہدِ جاہلیت اور اسلام کے متعلق ان کی معلومات وسیع تھیں۔ حضرت معاویہؓ نے ان کو بھی اپنا ندیم خاص بنا لیا تھا۔ ان کے علاوہ سعید بن عریض بن عادیا حجاز کا یہودی شاعر تھا۔ یہ بھی امیر معاویہ کا ایسا مقرب تھا کہ معمولی لباس میں ہی یہاں آیا جایا کرتا تھا[4]

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں علم تاریخ کی تدوین کا سہرا حضرت معاویہؓ کے سر ہے۔

حضرت معاویہ کا پوتا خالد بن یزید بھی بہت شستہ تنوع مذاقِ علمی کا مالک تھا چنانچہ شذرات الذہب میں ہے

کانَ لہٗ معرفۃ بالطب والکیمیاء وفنونٍ من العلم[5] خالد کو طب۔ کیمیا۔ اور دوسرے بہت سے علوم میں درک حاصل تھا۔

---

[1] مروج الذہب برحاشیہ تاریخ ابن الاثیر ج ۶ ص ۱۰۵ و ۱۰۶۔ [2] الاسلام والحضارۃ العربیہ ج ۱ ص ۱۶۴۔
[3] الفہرست ص ۱۳۲۔ [4] الاسلام والحضارۃ العربیہ ج ۱ ص ۱۶۵۔

عام طور پر مشہور ہے کہ ترجمہ و تالیف کا کام عہد بنی عباس میں شروع ہوا۔ لیکن ابن ندیم لکھتا ہے کہ خالد بن یزید بن معاویہ (متوفی ۸۵ھ) سب سے پہلا شخص ہے جس کے لئے طب۔ نجوم اور کیمیا کی کتابوں کا ترجمہ کیا گیا۔[1] خالد خود بھی صاحب تصنیف تھا۔ صاحب شذرات الذہب لکھتے ہیں وَلَہٗ رسائل حسنۃ ابن ندیم کا بیان ہے کہ میں نے خود خالد کے قلم کے پانچسو ورق لکھے ہوئے دیکھے ہیں اور اس کی حسب ذیل کتابیں پڑھی ہیں۔ کتاب الحرارات۔ کتاب الصحیفۃ الکبیر۔ کتاب الصحیفۃ الصغیر اور کتاب الوحید،[2] یہ کتابیں جن کا ترجمہ ہوا یونانی، قبطی اور سریانی زبانوں سے عربی میں منتقل کی گئی تھیں اور فلسفہ، طب، نجوم کیمیا اور حروب و آلاتِ حرب کے بیان پر مشتمل تھیں[3]۔ اپنے ذوق کی تکمیل کے لئے خالد نے کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ بھی فراہم کیا تھا جس کے متعلق اندازہ یہ ہے کہ یہ کتب خانہ دمشق میں تھا۔[4]

علمی ذوق کی وسعت عام علمی ذوق صرف خاص خاص افراد تک محدود نہیں تھا بلکہ خاندان بنو امیہ کے اکثر خلفار میں پایا جاتا تھا۔ چنانچہ تاریخوں میں جہاں ان کے اور حالات کا تذکرہ ملتا ہے ان کی علمی خدمات کا بھی ذکر موجود ہے۔ عبد الملک بن مروان خود بہت بڑا عالم تھا اور اس کا علمی ذوق بھی متنوع واقع ہوا تھا امام شعبیؒ ایسا جلیل القدر محدث کہتا ہے" میں جن جن علمار سے ملا عبد الملک کے سوا اپنے کو سب پر فائق پایا۔ اس سے جب حدیث یا شاعری وغیرہ پر گفتگو ہوتی تھی تو وہ معلومات میں کچھ اضافہ ہی کر دیتا تھا۔[5] حافظ ذہبیؒ کا بیان ہے کہ عبد الملک نے مشہور عالم تفسیر حضرت سعید بن مسیب سے فرمائش کر کے قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھوائی تھی۔[6]

ولید بن عبد الملک بھی علم کا بڑا قدردان تھا اور تعلیم و تعلم پر علمار اور فقہار کو معقول وظائف اور عطیے دیتا تھا۔ (تاریخ الخلفار ص ۲۲۴)

---

[1] الفہرست ص ۴۹۷ [2] الفہرست ص ۴۹۷ - ۴۹۸ ۔ [3] خطط الشام لاستاذ کرد علی ج ۴ ص ۲۰۔

[4] الاسلام والحضارۃ العربیۃ ج ۱ ص ۱۶۵ ۔ [5] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۷۴۔ [6] میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۹۷ -

ولید بن عبدالملک کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی مدتِ خلافت اگرچہ بہت ہی مختصر ہے مگر اس مختصر مدت میں بھی آپ علوم و فنون کی نشر و اشاعت سے غافل نہیں رہے۔ اس سلسلہ میں اگرچہ آپ کی زیادہ تر توجہ تدوین حدیث کی طرف رہی۔ چنانچہ آپ کے حکم سے حدیث کے کئی مجموعے مرتب کئے گئے تاہم بعض اور علوم بھی محروم نہیں رہے۔ مروان بن حکم کے زمانے میں ایک یونانی حکیم کی طبی کتاب کا ترجمہ ماسرجویہ نے کیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کی نقلیں کرا کر انھیں ملک میں شائع کیا۔[۱] اس کے علاوہ طب کی ایک کتاب کا عربی میں ترجمہ اہرن بن اعین سے بھی کرایا تھا۔ ہشام بن عبدالملک کو بھی علم و فن سے بڑی دلچسپی تھی۔ چنانچہ اس نے تاریخ کی ایک کتاب کا فارسی سے عربی میں ترجمہ کرایا تھا۔ یہ کتاب مصور تھی اور مسعودی کی نظر سے گذری تھی۔ تنبیہ الاشراف میں اس کا مفصل تذکرہ موجود ہے۔

استاذ کرد علی ایک جرمن مصنف (Diehl.) کے حوالہ سے لکھتے ہیں "۷۵۰ء میں جب خلافت بنی امیہ کی جڑیں مضبوط ہوگئیں اور اسلام کی فوجیں افریقہ سے اندلس تک اور مشرق میں سمرقند و سندھ تک پھیلیں تو راستہ میں جہاں جہاں ان کو علم و ادب کے مرکز نظر آئے انھوں نے ان مراکز کو تباہ نہیں کیا، بلکہ اُن سے فائدہ اٹھایا۔ انطاکیہ۔ رہا، نصیبین اور حراں میں باقاعدہ مدارس قائم تھے جن میں فلسفۂ یونان طب اور دوسرے علوم کا درس ہوتا تھا۔ خلفا بنی امیہ نے ان مدارس کے اساتذہ کو لکھا کہ وہ سریانی اور عربی زبان میں یونان اور بیزنطیہ کی بہترین علمی اور ادبی کتابوں کا ترجمہ کریں"[۲]

ان فنون سے قطع نظر اگر خطابت اور شاعری پر تفصیلی نگاہ ڈالی جائے تو اس کے لئے ایک مستقل مضمون درکار ہے۔ مختصر یہ ہے کہ ان چیزوں کا زور اسلام سے پہلے ہی کچھ کم نہ تھا۔ اسلام نے جب عربوں کے خیالات میں طہارت اور پاکیزگی پیدا کر دی اور قرآن مجید نے ان کے انداز تخیل اور طرز بیان و اسلوب کو بہت کچھ بدل دیا تو خطابت اور شاعری پر بھی اس کا گہرا اثر ہوا معنوی اور لفظی اعتبار سے اس فن کے جو معائب تھے

---

[۱] اخبار الحکماء تذکرۂ ماسرجویہ۔ [۲] الاسلام والحضارۃ العربیہ ج ۱ ص ۱۶۶۔

وہ جاتے رہے اور محاسن نے ان کی جگہ لے لی۔ صحابہ میں متعدد حضرات ایسے تھے جو خود صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ رہا شعر فہمی کا ذوق تو وہ تو ایک ایک بچہ مرد اور عورت ہر ایک میں پایا جاتا تھا۔ کئی سال ہوئے، "حسن الصحابہ فی اشعار الصحابہؓ" کے نام سے ایک مفید کتاب شائع ہوئی ہے اس کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ صحابۂ کرام شعر و شاعری کا بھی کیسا پاکیزہ مذاق رکھتے تھے جو ان کے لطافتِ طبع کی دلیل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دوسری صدی ہجری کے وسط سے تدوین و ایجادِ علوم و فنون میں مسلمانوں نے جو حیرت انگیز کارنامے کئے ہیں وہ سب ان کے اُس ذوق کا ثمرہ تھے جو ان میں اسلام نے پیدا کیا تھا اگر اسلام ان کو ذوقِ جستجو سے آشنا نہ کرتا اور حقائق و اسرارِ عالم کا کھوج لگانے کی تڑپ ان میں پیدا نہ کرتا تو وہ کبھی علم کے میدان کے یکہ تاز شہسوار نہیں بن سکتے تھے۔ یا بالفاظِ دیگر بنو عباس کے عہد میں جو علمی اور فنی ترقیات ہوئیں ان کو ایک لازمی نتیجہ سمجھنا چاہیئے۔ اس ارتقاءِ ذہنی و دماغی کا جس کی تخم ریزی عہدِ نبوت میں ہوئی اور اس کے بعد سے اوائل عہدِ بنی عباس تک اسلامی تعلیمات کے زیرِ اثر اس کی آبیاری ہوتی رہی اور اس میں برگ و بار پیدا ہوتے رہے۔

کلامِ عربی

کم فرصت شائقین عربی کے لئے یہ ایک بےنظیر کتاب ہے۔ جدید تعلیمی اصول پر لکھی گئی ہے جس میں صرف و نحو کے ضروری قواعد، ضروریاتِ زندگی سے متعلق جملے اور مکالمے، قرآن شریف و حدیث شریف کے اقتباسات، مفید امثال واقوال، دلچسپ لطائف و حکایات، جدید طرز کے خطوط و رقعات اور تازہ ترین عربی اخبارات اور رسائل کے انتخابات، بہترین ترتیب کے ساتھ اسباق کی صورت میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔ تمام کتاب با اعراب و با ترجمہ ہے کتاب کے ساتھ ڈیڑھ ہزار ضروری الفاظ کی ایک اردو سے عربی ڈکشنری اور ۱۳۵۰ جدید عربی الفاظ کی دوسری عربی سے اردو ڈکشنری بھی شامل ہے۔ عام شائقین عربی کے علاوہ مدارس عربی کے طلبا بھی جدید عربی سے واقفیت و ترجمہ و گفتگو کی مشق کے لئے اس کتاب سے بہت کچھ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

مشاہیر علمائے ہند

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت علامہ حسین احمد مدنی، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، حضرت مولانا محمد طیب دیوبندی وغیرہم نے کتاب کے متعلق بہترین آرا کا اظہار فرمایا ہے۔

کتابت و طباعت عمدہ، تقطیع متوسط، حصہ اول ۱۴۰ صفحات، قیمت (۱۰/ا)

حصہ دوم ۱۱۲ صفحات۔ قیمت دس آنے (۱۰/)

مکتبہ "برہان" دہلی۔ قرول باغ۔